خاندانی زندگی کے قرآنی اسلوب میں والدین اور اولاد کا باہمی حقوق و فرائض

ہانیہ نقوی اور سمانہ بتول

خلاصہ

دین اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے اور امن، سلامتی، تہذیب زندگی کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام باہمی احترام اور اعلیٰ اخلاقیات کا مذہب ہے اور انسانی زندگی میں والدین کا مقام بہت بلند ہے۔ والدین کا مقام جاننے اور احترام کا حق ادا کرنے سے خاندان کا نظام مستحکم ہوتا ہے اور خیر و برکات انسان کا مقدر بنتی ہیں۔ انسان ان آداب کا جتنا خیال رکھے معاشرہ اتنا ہی مہذب کہلائے گا اور آداب واحترام کا خیال نہ رکھنے کی صورت میں تہذیب سے عاری اور اللہ کی رحمت سے دور ہوگا۔ رحمت اللعالمین حضرت محمدؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانیت کے لیے ہدایت لے کر دُنیا میں تشریف لائے، جو اللہ کی توحید اور ایمان کی دعوت دینے پر معمور ہوئے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ پر نازل کی گئی آخری کتاب ہے اور یہ کتاب ہدایت وانقلاب ہے، اس میں دوسرے موضوعات کی طرح "والدین و اولاد کے باہمی رویہ" کے لیے بہترین اسلوب زندگی بیان کیے ہیں، اس میں ماں باپ سے حسن سلوک اور خدمت کا حکم اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت کے ساتھ ساتھ دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے اعمال میں اللہ کی عبادت کے بعد ماں باپ کی خدمت اور راحت رسانی مقام بلند کے حصول کا ذریعہ بنتی ہے۔ میں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا میں نے مقالے کے پہلے حصے میں خاندانی زندگی کے قرآنی اسلوب میں والدین اور اولاد کا باہمی رویہ و برتاؤ کے متعلقہ مفاہیم شناشی کی ہے اور دوسرے حصے میں قرآنی اسلوب میں والدین اور اولاد کے باہمی برتاؤ کے چند نمونے بیان کیے ہیں اور آخری حصے میں قرآنی نقطہ نظر سے بچے کی اہمیت بیان کی ہے۔

کلیدی الفاظ: خاندانی زندگی، قرآنی اسلوب، والدین، اولاد، باہمی رویہ

مقدمہ

تمام حمد و ثنا اس پرودگار کی جس نے انسان کو خلق کیا اور خلق کرنے کے بعد ایسے ہی نہیں چھوڑا، بلکہ ان کی ہدایت کے لیے انبیاؑ و اولیاءؑ جیسے عظیم رہبر مبعوث فرمائے اور مسلمانوں پر خصوصی لطف و کرم ہے کہ قرآن و اہلبیتؑ جیسے "عظیم ہادی" بھی دیے اور ان کی محبت کو ہمارے لیے نجات کا ذریعہ قرار دیا ہے اور ان کی پیروی کو کامیابی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں خداوند عالم فرماتا ہے:

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ [1]

"یہ کتاب، جس میں کوئی شبہ نہیں، ہدایت ہے تقویٰ والوں کے لیے۔"

قرآن مجید میں زندگی گزارنے کا طریقہ اور انسان کی ضروریات کا سامان اور مشکلات کا حل موجود ہے۔ اس میں "والدین اور اولاد کا باہمی رویہ" ایک اہم مسئلہ ہے۔ کیوں کہ آج کل کے معاشرے میں اولاد والدین کی عزت نہیں کرتی ہے۔ انہیں والدین کے ساتھ کیسا رویہ رکھنا چاہیے؟ اور والدین کو بچوں کے ساتھ کیسے پیش آنا چاہیے؟ اور کیسے پروش کرنی چاہیے ان سب کے بارے میں بتانا میں ضروری امر سمجھتی ہوں۔ تب میں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا؟ تاکہ معاشرہ اس کو پڑھ کر اس پر عمل کرے۔ خداوند عالم ہمیں والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی اور قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اسلوب کے لغوی معنی:

تربیت، طریقہ

اسلوب کے اصطلاحی معنی:

اسلوب عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ کسی فرد، گروہ یا معاشرے کے زندگی گزارنے کا طور و طریقہ اور سلیقہ۔ اسے فارسی میں طرز کہا جاتا ہے۔[2]

---

[1] سورہ بقرہ، آیت: ۲

[2] ص ۶۷۲ Merrian. Websters collegiate dictionary میریام وبستر

زندگی کا لغوی معنی:

زندگی کو عربی میں حیات کہتے ہیں جس کا معنی صاحب "القاموس" کے مطابق نشو و نما، بقا اور منفعت ہے۔[1]

اور "ابن فارس" کہتے ہیں: فالحیاة و هو ضد الموت "حیات" یعنی موت کی ضد[2]

زندگی کا اصطلاحی معنی:

صفة وجودیة توجب للمتصف بها ان یعلم و یقدر و الحیاة الدنیا هی ما تشغل العبد عن الآخرة

حیات ایک وجودی صفت ہے، جو سبب بنتی ہے کہ موصوف جان لے اور قدرت حاصل کرے۔ اور دنیوی زندگی سے مراد یہ ہے کہ اسے آخرت سے رو گرداں کردے۔[3]

قرآن کے لغوی معنی:

اہل لغت نے قرآن کے معنی یوں بیان کیے ہیں:

"قرآن" "قراءۃ" کی طرح "قرء" سے ماخوذ ہے۔ جن کے اصلی معنی لغت عرب میں جمع کرنے کے ہیں۔ کتاب کے عام رواج سے پہلے کسی نظم یا نثر کے جمع کرنے کا اس طرح کہ وہ محفوظ ہو جائے، بہترین طریقہ یہی تھا کہ اسے سینے میں محفوظ یعنی از بر کر لیا جائے۔

اسی بنا پر صدر اسلام میں "قراءۃ" بمعنی "حفظ" مستعمل ہوتا تھا۔ اور حافظ قرآن کو "قاری" کہتے تھے۔[4]

[1] قاسمی کیرانوی، مولانا وحید الزمان (مترجم: مولانا وحید الزمان قاسمی کیرانوی) القاموس الوحید، کراچی: ادارہ اسلامیات، ج: اول۔ ۱۴۲۲ھ، جون ۲۰۰۱، ص: ۴۰۱

[2] ابن زکریا ابی الحسن احمد ابن فارس معجم المقاییس فی اللغۃ، لبنان: دار الفکر، ص: ۲۹۰

[3] قاضی عبد النبی احمد نگری، جامع العلوم فی اصطلاحات الفنون الملقب بدستور العلماء، بیروت: بی، نا، چ: دوم، ۱۹۷۵م، ج ۲، ص ۷۰

[4] سید علی نقی نقوی، مقدمہ قرآن (لاہور: معراج کمپنی، چ: اول، ۲۰۱۴)، ص ۱۱

قرآن کا اصطلاحی معنی:

قرآن مجید کے یہ اصطلاحی معنی وہ کلام جو بطور وحی حضرت رسول خداؐ پر بحیثیت معجزہ اتارا گیا ہے۔[1]

قرآن کا تعارف:

قرآن مجید علم و معرفت کا سب سے بڑا خزانہ اور افضل ترین کلام ہے اور ہر لحاظ سے "معجزہ" ہے جس میں تمام انسانی ضرورتوں و مسائل کا حل موجود ہے اور ہر قسم کی مشکلات کو دور کرنے کی صلاحت رکھتا ہے۔ دنیا و آخرت کی سعادت و خوش بختی اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ اس علمی و وسعت کا اعلان کرتے ہوئے خداوند عالم فرماتا ہے:

وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ

کوئی دانہ اور خشک و تر ایسا نہیں ہے جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔[2]

ہر قسم کے مسائل کا حل قرآن مجید میں موجود ہے۔ اسی طرح "والدین اور اولاد کا باہمی رویہ و برتاؤ" کے بارے میں بھی قرآن مجید میں ذکر ہوا ہے کہ اولاد کا والدین کے ساتھ اور والدین کا اولاد کے ساتھ کیسا رویہ ہونا چاہیے جس سے خاندان یا معاشرے میں تعلقات خوشگوار ہو سکیں اور آخرت کو بھی سنوار سکیں۔ ان سب کے اسلوب قرآن میں ذکر ہوئے ہیں۔

قرآنی اسلوب میں والدین اور اولاد کے باہمی تعلقات کے چند نمونے

قرآن مجید ایک مکمل کتاب ہے اور ایک منشور ہے جس میں خداوند متعال نے ہمیں ہر چھوٹی اور بڑی مثالوں کے ذریعے ہدایت عطا کی۔ زندگی گزارنے کے انفرادی و اجتماعی اصول سکھائے ہیں۔ قرآن ایک مکمل درس گاہ ہے اور انسان کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ اسی کتاب میں خدا نے معاشرتی اسلوب بھی بیان کئے ہیں جس میں ایک خوبصورت رشتہ (والدین اور اولاد کا باہمی برتاؤ) پر زور دیا ہے۔ آئیں ہم قرآن کی نظر میں "والدین و اولاد کا باہمی برتاؤ" جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

---

[1] ایضا

[2] سورہ انعام، آیت: ۵۹

الف: اولاد کا والدین کے ساتھ برتاؤ
ب: والدین کا اولاد کے ساتھ برتاؤ

الف) اولاد کا والدین کے ساتھ برتاؤ:

اسلام اجتماعی اور معاشرتی دین ہے اور اس کے ماننے والے صرف رضائے خدا کی خاطر اور اس کی راہ میں قدم اٹھاتے ہوئے ایک دوسرے سے تعلق و رابطہ رکھتے ہیں۔ اسلام نے ہمیں معاشرے میں زندگی بسر کرنے کے اصول بھی اچھی طرح بتا دیے ہیں؟ تاکہ ان کی معرفت کے بعد ان پر عمل کر کے ہم خدا کو خوش کر سکیں اور اس کے نتیجے میں دنیا و آخرت کی سعادت سے ہمکنار ہو جائیں۔ والدین خدا کی طرف سے ہمارے لیے رحمت ہیں۔ جن کی وجہ سے ہم اس دنیا میں آئے۔ جنہوں نے ہمیں پالا بڑا کیا اور ہماری ہر خواہش کو پورا کیا۔ والدین اپنی خواہش کو پس پشت ڈال کر سب سے پہلے اپنی اولاد کی خواہش کو پورا کرتے ہیں۔ والدین کا اولاد پر بہت بڑا احسان ہے جس احسان کو اولاد کبھی بھی اتار نہیں سکتی۔

یہاں پر ہم اولاد کے کچھ فرائض بیان کریں گے کہ اولاد کو والدین کے ساتھ کیسا رویہ رکھنا چاہیے:

والدین کے ساتھ حسن سلوک

یہ اسلام میں اولاد و والدین کا سب سے اہم حق جسے واجب قرار دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے والدین کے ساتھ حسن سلوک اور اپنی عبادت کا حکم ایک ساتھ دیا ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں خداوند عالم فرماتا ہے:

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا[1]

اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیکی کرو۔

اصول کافی میں ابی ولاد الحناط سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفرؑ سے عرض کیا کہ "وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا" کی آیت میں جس احسان کا ذکر کیا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟

[1] سورہ اسراء، آیت: ۲۳

امامؑ نے فرمایا: مقصد یہ ہے کہ والدین کے ساتھ اچھی معاشرت رکھو اور انہیں اس بات پر مجبور نہ کرو کہ وہ اپنی ضروریات کے لیے تجھ سے سوال کریں۔ ان کی تمام ضروریات کا خود خیال رکھو۔ اگرچہ وہ مستغنی بھی کیوں نہ ہوں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ[1]

جب تک تم اپنی پسند کی چیزوں میں سے خرچ نہ کرو تب تک کبھی نیکی کو نہیں پہنچ سکتے۔[2]

توحید کہ جو اسلام کی عظیم ترین بنیاد ہے، ماں باپ سے نیکی کرنے کو اس کے ساتھ قرار دیا ہے۔

والدین کے ساتھ احسان کرنا

والدین کے احترام کے بارے میں اسلام نے اس قدر تاکید کی ہے کہ اتنی تاکید بہت کم کسی اور مسئلے میں کی گئی ہے۔

لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا[3]

اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور اپنے والدین پر احسان کرو۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا ۚ وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا[4]

اور تم لوگ اللہ ہی کی بندگی کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک قرار نہ دو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔

لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا[5]

(اور کہا) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور (اپنے) والدین سے حسن گفتار سے پیش آؤ۔

---

[1] سورہ آل عمران، آیت: ۹۲

[2] الحویزی عبد علی، مترجم: علامہ محمد حسن جعفر، (لاہور، منہاج الصالحین، چ: ۲۰۰۷) تفسیر نور الثقلین، ج: ۵، ص: ۱۹۶

[3] سورہ بقرہ۔ آیت: ۸۳

[4] سورہ نساء۔ آیت ۳۶

[5] سورہ انعام، آیت: ۱۵۱

اس مسئلے کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ قرآن میں بھی اور روایات میں بھی صراحت سے اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ماں باپ کافر بھی ہوں تب بھی ان کا احترام کرنا ضروری ہے۔

حضرت امام موسی کاظمؑ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے رسول خداؐ سے پوچھا کہ باپ کا بیٹے پر کیا حق ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وہ باپ کا نام لے کر اسے مخاطب نہ کرے، باپ کے آگے نہ چلے اور اس سے پہلے نہ بیٹھے اور ایسی گفتگو نہ کرے جس کی وجہ سے لوگ اس کے والد کو گالیاں دیں۔[1]

بعض مقامات پر والدین کا کہنا ماننا ضروری نہیں

وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۖ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا[2]

اور اگر وہ دونوں تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسے کو شریک قرار دے جس کا تجھے علم نہیں ہے تو ان کی بات نہ ماننا، البتہ دنیا میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھنا۔[3]

اگر وہ خدا کا حکم ماننے یا اس کی اطاعت کرنے سے روکیں تو اس صورت میں والدین کا کہنا نہیں ماننا چاہیے، مگر ان سے اچھا رویہ اور برتاؤ رکھنا چاہیے۔

بداخلاقی سے پرہیز

کسی ناگوار بات پر انسان کا سب سے معمولی ردعمل یہ ہوتا ہے کہ اس کی زبان سے اُفّ نکل آتا ہے۔ مگر خداوند عالم کو اتنا معمولی اظہار شکوہ بھی والدین کے بارے میں پسند نہیں، اسی لیے اس نے مومنین کو اف تک کرنے سے منع کیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں خداوند عالم فرماتے ہیں کہ:

[1] الحویزی عبد علی، مترجم: علامہ محمد حسن جعفر، (لاہور، منہاج الصالحین، چ: ۲۰۰۷) تفسیر نور الثقلین، ج: ۵، ص: ۱۹۷

[2] سورہ لقمان، آیت: ۱۵

[3] مکارم ناصر، مترجم: سید صفدر حسین نجفی، (لاہور، مصباح القرآن ٹرسٹ، چ: ۱۴۱۷ھ) تفسیر نمونہ، ج: ۶، ص: ۵۳۴

اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا، وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا، وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ[1]

اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے پاس ہوں اور بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور مہر و محبت کے ساتھ ان کے آگے انکساری کا پہلو جھکائے رکھو۔

بڑھاپے میں عام طور پر قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں اور انسان کی طبیعت میں چڑچڑاپن آجاتا ہے۔ لہذا اگر اس حالت میں پہنچ کر وہ تمہیں تنگ کریں تو بھی انہیں "اف" تک نہ کہو اور جواب میں انہیں مت جھڑکو۔ خواہ وہ تمہیں مار پیٹ ہی کیوں نہ کریں۔

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد گرامی ہے:

ادنی العقنوق اف، الو علم الله شیئا اهون منه لنهی عنه

عاق ہونے کے لیے سب سے معمولی چیز اف کہنا ہے اور اگر خداوند عالم کی نظر میں کوئی اور چیز اس سے حقیر اور معمولی ہوتی تو اس سے بھی منع کرتا۔[2]

آج کل کے معاشرے میں دیکھا جائے تو والدین کا کم احترام کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے معاشرے میں فساد و جھگڑے ہوتے ہیں۔ اس لیے تفسیر علی بن ابراہیمؒ میں اس آیت کی تفسیر میں یوں مرقوم ہے: فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ؛ اگر لفظ "اف" سے کمتر بھی کوئی لفظ ہوتا تو اللہ اس سے بھی منع کرتا۔

وَلَا تَنْهَرْهُمَا

والدین سے جھگڑا مت کرو۔

وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا

والدین سے مؤدبانہ لہجے میں گفتگو کرو۔

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ

[1] سورہ اسراء، آیت: ۲۳، ۲۴

[2] مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج ۱۷، ص: ۵۹

ان کے ساتھ عاجزی کا رویہ اپناؤ اور ان پر کسی قسم کا تکبر مت کرو۔[1]

۵۔ شفقت اور نرمی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا "اور ان کے ساتھ احترام سے گفتگو کرو۔" اگر وہ تمہیں جھڑکیں یا مار پیٹ کریں تو ان سے کہو کہ خدا تمہاری مغفرت فرمائے۔ یہی قول کریم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ان کے سامنے عاجزی سے اپنے کندھے جھکائے رکھو"[2]
مقصد یہ ہے کہ والدین کو شفقت و رحمت کی نگاہ سے دیکھنے سے تمہیں طول خاطر نہیں ہونا چاہیے اور ان کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کرو اور ان کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرو اور ان کے آگے مت چلو۔ والدین کے ساتھ شفقت اور نرمی سے پیش آؤ۔

۶۔ والدین کے مرنے کے بعد ان سے نیکی کرنا

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا

اور کہو کہ پرودگار ان پر رحم فرما، جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔

ابو اسید انصاری بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا:
یا رسول اللہؐ! میرے والدین وفات پا چکے ہیں، کیا اب بھی میں ان سے بھلائی کر سکتا ہوں اور اگر کرنا چاہوں تو کیسے کروں؟
آپؐ نے فرمایا: جی ہاں، تم والدین سے بھلائی کر سکتے ہو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے حق میں دعا و استغفار کرو اور ان کے کئے ہوئے عہد کو پورا کرو۔ ان کے دوستوں کا احترام کرو اور ان کے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو۔[3]

[1] الحویزی عبد علی، مترجم: علامہ محمد حسن جعفر، (لاہور، منہاج الصالحین، چ: ۲۰۰۷) تفسیر نور الثقلین، ج: ۵، ص: ۱۹۷
[2] الحویزی عبد علی، مترجم: علامہ محمد حسن جعفر، (لاہور، منہاج الصالحین، چ: ۲۰۰۷) تفسیر نور الثقلین، ج: ۵، ص: ۱۹۷
[3] ایضا، ص ۲۰۰

امام صادقؑ نے فرمایا: ایک شخص اپنے والدین کی زندگی میں ان کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے، جب وہ مرتے ہیں تو نہ ان کے قرضے ادا کرتا ہے اور نہ ان کے لیے مغفرت طلب کرتا ہے، تو ایسے شخص کو اللہ والدین کا نافرمان لکھ دیتا ہے اور ایک شخص والدین کی زندگی میں نافرمان ہوتا ہے اور ان کے ساتھ کوئی نیکی نہیں کرتا، لیکن ان کے مرنے کے بعد ان کے قرض کو بھی ادا کرتا ہے اور ان کے لیے مغفرت بھی طلب کرتا ہے تو خداوند اسے نیکوکار لکھ دیتا ہے۔[1]

ب۔ والدین کا اولاد کے ساتھ برتاؤ

اللہ تعالی کی نعمتوں میں سے ایک نعمت نیک اولاد کا ہونا ہے۔ جسے اللہ نے آنکھوں کی ٹھنڈک کہا ہے اس لیے اولاد کا ہونا خوش بختی تصور کیا جاتا ہے۔ جنہیں یہ نعمت میسر آتی ہے وہ بہت خوش خرم رہتے ہیں اور جن کے ہاں اولاد نہیں ہوتی وہ ہمیشہ اولاد کی محرومیت کے صدمے میں پڑے رہتے ہیں۔ مگر جب اولاد مل جاتی ہے تو گویا وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کی ہر نعمت مل گئی ہے۔

۳۔ قرآنی نقطہ نظر سے بچے کی اہمیت

اسلامی معاشرہ اولاد کو انسانی اقدار کی بقا اور تحفظ کا ذریعہ سمجھتا ہے اور اسے نعمت عظمیٰ قرار دیتا ہے۔ قرآن کی تعلیمات میں اولاد کے نعمت عظمیٰ ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ ہر انسان جبلی طور پر اولاد کی خواہش رکھتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ اولاد نہ صرف رنج وآلام میں ہمدرد اور غم خوار ہو گی بلکہ اس کے مقصد حیات کی تکمیل میں مدد و معاون ہو گی۔ بچے جہاں مادی طور پر ایک سہارا ہوتے ہیں وہاں روحانی طور پر تسکین کا باعث ہوتے ہیں۔

قرآن مجید میں اس نعمت عظمیٰ کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے:

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ ۚ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَتِ اللَّهِ هُمْ يَكْفُرُونَ[2]

---

[1] ری شہری، میزان الحکمۃ (محمد علی فاضل) ص، ۱۳۴۴

[2] سورہ نحل، آیت: ۷۲

اور اللہ نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے بیویاں بنائیں اور اس نے تمہاری ان بیویوں سے تمہیں بیٹے اور پوتے عطا کیے اور تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا کیں تو کیا۔ یہ لوگ باطل پر ایمان لائیں گے اور اللہ کی نعمت کا انکار کریں گے؟

قرآن مجید کے مطابق بچے دینوی زندگی کی زینت ہیں اگرچہ آخرت کے لیے اعمال صالح ہی باقی رہنے والے ہیں لیکن دنیوی زندگی کی رونق بچوں ہی کے دم سے ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا [1]

مال اور اولاد دنیاوی زندگی کی زینت ہیں اور ہمیشہ باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے اور امید کے اعتبار سے بھی بہترین ہیں۔

حضرت نوحؑ اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلاتے ہوئے اس کے انعامات کا ذکر کرتے ہیں اور اس میں مال و اولاد کا خصوصی تذکرہ کرتے ہیں:

وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا [2]

مال اور اولاد دنیاوی زندگی کی زینت ہیں اور ہمیشہ باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے اور امید کے اعتبار سے بھی بہترین ہیں۔

قرآن مجید نے بچوں کے نعمت ہونے پر شاید اس لیے زور دیا ہے کہ اس سے رویوں کی اصلاح ہو گی۔ قرآنی نقطہ نظر سے بچے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں، ان کی قدر کرنی چاہیے۔ انہیں زحمت سمجھ کر ان سے بد سلوکی کرنا، ان کی پرورش میں کوتاہی برتنا اور ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام نہ کرنا نسل انسانی کی بقا اور اس کے استحکام کے لیے مضر ہے۔ [3]

[1] سورہ کہف، آیت ۴۶

[2] سورہ نوح، آیت: ۱۲

[3] نور معرفت، ص ۶۵، ۶۴، ۶۳

الف) اسلام میں بچوں کے عمومی حقوق:

اسلامی تعلیمات کی رو سے بچوں کی حفاظت و نگہداشت بہت ضروری ہے۔ اسلام میں بچوں کے حقوق کے سلسلے میں خصوصی ہدایات دی ہیں۔ یہ حقوق دو طرح کے ہیں:

(1) بنیادی حقوق (2) اخلاقی حقوق

اسلام نے اولاد کے معاملے کو صرف والدین کی صوابدید پر ہی نہیں چھوڑا اور نہ ہی معاشرے کے رویے پر انحصار کیا ہے، بلکہ بچوں کو قانونی تحفظ فراہم کیا ہے اور ان کے ساتھ روا رکھے جانے والے غلط رویہ کو قابل سزا قرار دیا ہے۔ اسلام نے اپنی معاشرتی تنظیم میں پہلے دن سے ہی بچوں کے حقوق کے بارے میں واضح موقف اختیار کیا ہے اور یہ اس عظیم اصلاح کا حصہ ہے جسے اسلام نے معاشروں کی تشکیل میں اختیار کیا ہے۔ بنیادی حقوق میں مندرجہ ذیل حقوق کے بارے میں اسلامی تعلیمات پائی جاتی ہیں:

(۱) حق حیات (۲) حق پرورش (۳) حق تربیت (۴) حق میراث

۱) حق حیات

بچے کا سب سے پہلا بنیادی حق، حق زیست ہے۔ مرد عورت کا جائز جنسی تعلق صرف تفریح اور لذت کے لیے نہیں ہے، بلکہ یہ تعلق نسل انسانی کے تسلسل کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا اس تعلق کے نتیجے میں جو بچہ جنم لیتا ہے اس کا یہ حق ہے کہ اس کی زندگی کو محفوظ بنایا جائے۔ چونکہ وہ اپنی حفاظت نہیں کر سکتے اس لیے والدین اور معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ اس کی زندگی کو یقینی بنائیں۔ بعض انسانی معاشروں میں اولاد کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ معاشی تنگی کی وجہ سے یا مذہبی عقیدہ کی بنا پر انہیں معبودوں کے لیے قربان کر دیا جاتا تھا۔ اسلام نے قتل اولاد کو قانونی جرم قرار دیا ہے، خواہ معاشی عوامل کی وجہ سے ہو، یا مذہبی عقیدے کی بنا پر زمانہ جاہلیت میں بعض عرب قبائلی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے، قرآن نے اسے ممنوع قرار دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا[1]

اور تم اپنی اولاد کو تنگ دستی کے خوف سے قتل نہ کیا کرو، ہم انہیں رزق دیں گے اور تمہیں بھی، ان کا قتل یقیناً بہت بڑا گناہ ہے۔

۲۔ لڑکیوں کا قتل

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ۖ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ۖ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۖ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ [2]

کہہ دیجئے: آؤ میں تمہیں وہ چیزیں بتا دوں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کر دی ہیں، (وہ یہ کہ) تم لوگ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور والدین پر احسان کرو اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی اور علانیہ اور پوشیدہ (کسی طور پر بھی) بے حیائی کے قریب نہ جاؤ اور جس جان کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرو ہاں مگر حق کے ساتھ، یہ وہ باتیں ہیں جن کی وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔

انسان کے اندر جو نہایت گہرے جذبات اور مہر و محبت کے احساسات پائے جاتے ہیں ان میں سب سے بڑھ کر اولاد کے لیے ماں باپ کے جذبات ہیں۔ مگر کبھی انسان شقاوت قلبی اور سنگدلی کی حد تک پہنچ جاتی ہے کہ ایسا نازک اور حقیقی جذبہ بھی اس کے اندر دم توڑ دیتا ہے اور اس مہر و محبت کے سوتے خشک ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ معصوم بچوں پر بھی رحم نہیں کیا جاتا جو بے چارے اپنا بچاؤ تک نہیں کر سکتے اور وہی فرد جس سے رحم دلی اور محبت کی توقع کی جائے وہ بجائے بچے کی تربیت، پرورش اور ہر قسم کی آفتوں سے بچائے یہ اپنی انگلیاں اسی معصوم کے نازک گلے میں پیوست کر کے اس کی

[1] سورہ اسراء، آیت: ۳۱

[2] سورہ انعام، آیت: ۱۵۱

زندگی ختم کر دیتا ہے یا کنویں میں پھینک دیتا ہے یا منہ بند کر کے اس کا گلا گھونٹ دیتا ہے یا پہاڑ سے نیچے پھینک دیتا ہے یا پانی میں شقاوت قلبی سے ڈبو دیتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عربوں کا یہی طریقہ تھا کہ وہ اپنے جگر گوشوں کے ساتھ یہی سلوک کرتے تھے، اسلام نے اس شرمناک اور دردناک رواج کی شدت سے مخالفت کی اور اس کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے سعی کی جس کے نتیجے میں شقاوت قلبی کی جگہ دوبارہ مہر و محبت اور شفقت و حسن سلوک نے لے لی۔

اس زمانہ میں آج کے سائنسی وسائل نہیں تھے تاکہ پتہ چل سکے کہ شکم مادر میں بچے کی کیفیت کیا ہے، آیا بچہ لڑکا ہوگا یا لڑکی، بچہ پیدا ہونے کا انتظار کرتے، اس کے بعد اپنے ہاتھوں سے اپنی دختر کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ آج ترقی کے دور میں شکم مادر میں بچے کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ آج انسان اس بات پر قادر ہے کہ اس کے جگر گوشے کو رحم مادر ہی میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے گوشت کے لوتھڑوں میں دنیا میں لایا جائے۔

آج اور زمانہ جاہلیت کے لوگوں میں صرف یہی فرق نہیں، بلکہ یہ بھی ہے کہ علم و صنعت سے مرصع اور مسلح ہو کر آج کا انسان زیادہ شقی القلب اور سنگدل ہو گیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں تو صرف جاہل باپ اپنا ہاتھ نوزائندہ دختر کے خون سے رنگتا تھا۔ آج تو تعلیم یافتہ مائیں بھی اپنی جبلی مامتا کو بھول کر یہ کام کر رہی ہیں۔[1]

۳۔ لڑکیوں کے قتل کے اسباب

تاریخ سے یہ پتا چلتا ہے کہ لڑکیوں کو اس لیے مار ڈالتے تھے کہ ان کو بیٹی والا کہے جانے سے نفرت تھی، قرآن مجید نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ[2]

اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خبر دی جاتی ہے تو مارے غصے کے اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے۔

[1] جعفر سبحانی، قرآن کا دائمی منشور ترجمہ: صفدر حسین نجفی، ص ۶۷
[2] سورہ نحل، آیت: ۵۸

يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ[1]

اس بری خبر کی وجہ سے وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے) کیا اسے ذلت کے ساتھ زندہ رہنے دے یا اسے زیر خاک دبا دے؟ دیکھو! کتنا برا فیصلہ ہے جو یہ کر رہے ہیں؟

یہ آیات ایک خاص سبب کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ کچھ قبائل ایسے بھی تھے جو اپنے یہاں لڑکی کی پیدائش اور موجودگی کو باعث شرم سمجھتے تھے۔ جب ان کو خبر دی جاتی کہ تمہارے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے تو وہ اس کو زندہ در گور کرنے کی فکر کرنے لگتے ہیں۔[2]

ب) حقِ پرورش

بچے کا دوسرا حق پرورش ہے۔ پرورش سے مراد وہ طریقہ کار ہے جو بچے کی زندگی اور نشو و نما کا ضامن ہو۔ اسلام نے والدین کو اپنے بچوں کی بقاء اور نشو و نما کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے اور اس کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔ ایک بچہ اپنی زندگی کے ہر مرحلے پر والدین کا محتاج ہوتا ہے۔ یہی وجہ کے اللہ تعالیٰ نے والدین کو اس امر کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے کہ وہ اس کی تمام ضروریات کو پورا کریں اور ان کا تحفظ کریں۔ قرآن وسنت نے والدین پر فرائض عائد کئے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کی عمر کے مطابق تمام ضروریات کا انتظام کریں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث میں اس ذمہ داری کا تصور یوں ملتا ہے:

انسان اپنے گھر کا نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔ خادم اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔ انسان اپنے باپ کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا اور تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور سب سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔

---

[1] سورہ نحل، آیت: ۵۹

[2] جعفر سبحانی، قرآن کا دائمی منشور، ترجمہ: صفدر حسین نجفی، ص ۸۱

والدین کی ذمہ داری ہے کے وہ بچوں کی پرورش پر توجہ دیں اوران کی ضروریات پوری کریں۔ بچوں کو توجہ دیں، والدین کی غفلت سے بچے شدید جسمانی ونفسیاتی عوارض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ والدین کی لاپرواہی سے بچے کئی نفسیاتی وروحانی امراض کا شکار ہو سکتے ہیں۔ بچے جس خوراک کے بچپن سے محتاج ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا انتظام ماں کے دودھ کے طور پر کر دیا ہے۔ قرآن نے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے:

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۖ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ ۗ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ[1]

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، (یہ حکم) ان لوگوں کے لیے ہے جو پوری مدت دودھ پلوانا چاہتے ہیں اور بچے والے کے ذمے دودھ پلانے والی ماؤں کا روٹی کپڑا معمول کے مطابق ہوگا, کسی پر اس کی گنجائش سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جاتا، بچے کی وجہ سے نہ ماں کو تکلیف میں ڈالا جائے اور نہ باپ کو اس بچے کی وجہ سے کوئی ضرر پہنچایا جائے اور اسی طرح کی ذمے داری وارث پر بھی ہے، پھر اگر طرفین باہمی رضامندی اور مشورے سے بچے کا دودھ چھڑانا چاہتے ہیں تو اس میں ان پر کوئی مضائقہ نہیں ہے نیز اگر تم اپنی اولاد کو (کسی سے) دودھ پلوانا چاہو تو تم پر کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ تم عورتوں کو معمول کے مطابق طے شدہ معاوضہ ادا کرو اور اللہ کا خوف کرو اور جان لو کہ تمہارے اعمال پر اللہ کی خوب نظر ہے۔

[1] سورہ البقرہ، آیت نمبر: ۲۳۳

اس آیت کی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ماں کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے بچے کو دودھ سے محروم رکھے۔ دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے اس سے کم مدت میں دودھ چھڑاتے ہوئے یہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ بچے کی صحت اور پرورش پر برا اثر تو مرتب نہیں ہو گا۔ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ رزق حلال سے اولاد کی پرورش کریں۔

الف) پرورش میں مساوی سلوک

غذا، لباس اور رہن سہن میں بچوں کے ساتھ مساوی رویہ اختیار کرنا اسلام کا تقاضا ہے۔ اسلام سے قبل عرب معاشرے میں لڑکوں کو ترجیح دی جاتی تھی اور خوراک اور لباس میں امتیازی رویہ رکھا جاتا تھا۔ آنحضرت نے اس امتیازی رویہ کو ناپسند فرمایا اور مساوات کی روش اپنانے کی ہدایت کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اپنی اولاد کے درمیان عدالت کرو جس طرح تم پسند کرتے ہو کہ وہ تمہارے درمیان عدالت سے کام لیں۔ بعض خاندانوں میں بچوں کے ساتھ مساوی سلوک نہیں کیا جاتا۔ بعض کو زیادہ توجہ دیتے ہیں اور بعض کو تھوڑی سی بھی توجہ نہیں دی جاتی جس کے نتیجہ میں بچوں میں آپس میں حسد اور کینہ پیدا ہوتا ہے جو دشمنی کا باعث ہوتا ہے۔ اس لیے ماں باپ کو چاہیے کہ بچوں کے ساتھ مساوی سلوک کیا جائے، تاکہ دشمنیاں وجود میں نہ آئیں۔

امام صادقؑ سے منقول ہے: جس شخص کے ذمہ دو بیٹیوں یا دو بہنوں یا دو پھوپھیوں یا دو خالاوں کا خرچ ہو یہ اسے آتش جہنم سے بچانے کو کافی ہے۔ پرورش میں تمام مادی سہولتوں کی فراہمی شامل ہے۔ جب تک بچوں کو احتیاج رہتی ہے اس وقت تک والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ وسائل مہیا کریں اور ان کو تحفظ فراہم کریں۔

ج) حق تربیت

اگرچہ پرورش تربیت کو شامل ہے لیکن پرورش میں جسمانی نشوونما اور تحفظ کو نمایاں حیثیت حاصل ہے جبکہ تربیت کا تعلق ذہنی نشوونما سے ہے۔ بچے کی متوازن شخصیت کے لیے ذہنی و روحانی سہولتیں بے حد ضروری ہیں۔ سب سے زیادہ اہم دو چیزیں ہیں۔ (۱) تعلیم (۲) آداب زندگی

۱۔ تعلیم

تعلیم و تربیت کی اہمیت کو بیان کرنے کے لیے صرف یہی کافی ہے کہ قرآن کریم میں ہزار سے زیادہ مرتبہ خداوند متعال کے لیے ربّ اور کئی سو مرتبہ عالم یا علیم کا بطور صفت نام آیا ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودہ صدیاں قبل ہی دور جاہلیت میں حجاز جیسے دُور افتادہ ماحول میں تربیت اولاد جیسے اہم موضوع کے بارے مکمل طور پر توجہ دلائی اور اس کے بارے میں لازمی وضروری تعلیمات کو بیان فرمایا، اسلام نے شادی کے معاملہ میں مرد و عورت کے لیے شرائط اور ضوابط کو پاک نسل کی خاطر بیان کیا ہے، اسی طرح سے دودھ پلانے کے آداب اور بچے کی جسمانی وروحانی پرورش کے وظائف کو بھی جابجا بیان کیا ہے، لہذا والدین کو چاہیے کہ اپنے بچوں کی تربیت زمانے اور حالات حاضرہ کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر کریں۔ حضرت علی علیہ السلام اس بارے میں فرماتے ہیں:

> لاتؤدبوا اولادكم باخلاقكم لانهم خلقوا لزمان غير زمانكم[1]
>
> اپنے بچوں کی تربیت اپنے اخلاق وحالات کے مطابق نہ کرو، کیونکہ انہیں ایسے زمانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے جو تمہارے زمانے سے مختلف ہے۔

اس موضوع کی اہمیت مولوی جیسے شاعر کی نگاہ میں پوشیدہ نہیں ہے، لہذا وہ کہتے ہیں:

> از خدا جوییم توفیق ادب — بی ادب محروم ماند زلطف ربّ
>
> ہمیں چاہیے کہ خدا سے ادب واخلاق کی توفیق طلب کریں کیونکہ بے ادب انسان خدا کے لطف وکرم سے محروم رہ جاتا ہے۔
>
> بے ادب تنہا، نه خود راداشت بد — بلکه آتش در همه آفاق زد
>
> بے ادب انسان نہ فقط خود خراب ہوتا ہے بلکہ پورے معاشرے کو بھی آگ لگا دیتا ہے۔

اگر کسی نوجوان کو بے ادب دیکھتا ہوں تو یہ روز روشن میرے اوپر تاریک ہو جاتا ہے، ایسا منظر میرے دل کی بے تابی کو بڑھا دیتا ہے اور مجھے پھر عہد مصطفی کے تربیت یافتہ نوجوانوں کی یاد آنے لگتی ہے۔

[1] نہج البلاغہ، حکمت: ۴۵

اولاد کی شخصیت کو نکھارنے اور اس کو چار چاند لگانے کے لیے گھر والوں کا کردار کلیدی حیثیت رکھتا ہے، چونکہ انسان (بچہ) اپنے تمام ابتدائی اوقات والدین اور گھر کے دوسرے افراد کے ساتھ گزارتا ہے، لہذا ان کا کردار اور ان کے افعال بچے کی تربیت میں بہت اہمیت کے حامل ہیں، کیونکہ پیدائش کے بعد بچے کی نظر گھر کے افراد اور ان کے کردار پہ پڑتی ہے اور وہ انہیں اپنے لیے نمونہ عمل بناتا ہے، اگر گھر کے افراد کا کردار صحیح نہ ہو تو بچہ بھی انہی افراد کے کردار کے مطابق پروان چڑھے گا خصوصاً والدین کا کردار بہت اہم اور بنیادی ہے، کیونکہ شادی سے لے کر حمل اور بچے کی پیدائش تک ان کا کردار اثرانداز ہوتا ہے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

حق الولد علی الوالدین ان یحسن اسمه ویحسن ادبه ویعلّمه القرآن[1]

اور فرزند کا حق باپ پر یہ ہے کہ اس کا اچھا نام تجویز کرے اور اسے بہترین ادب سکھائے اور قرآن مجید کی تعلیم دے۔

پس باپ پر بچوں کا حق یہ ہے کہ ان کی صحیح تربیت کرے اور اگر شروع ہی سے باپ اس کی تربیت نہ کرے اور بچے سے اچھے کردار اور شائستہ افعال کی امید رکھے تو یہ بے جا توقع ہو گی اور بعد میں اسی بچے کی طرف سے مورد مذمت و سرزنش قرار پائے گا۔

آیت اللہ مکارم شیرازی شرح نہج البلاغہ میں امیر المومنین علی علیہ السلام کے اسی حکمت آمیز کلام کے ذیل میں ایک داستان نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ایک شخص کسی جگہ سے گزر رہا تھا کہ دیکھا ایک شخص اپنے باپ کو مار، پیٹ رہا ہے۔ یہ شخص بیٹے کی غیر شائستہ حرکت کو دیکھ کر اعتراض کرنے لگا کہ اپنے باپ کو کیوں مار رہے ہو؟ بیٹے نے جواب میں کہا: کیا ایسا نہیں کہ بیٹا باپ پر بہت سے حق رکھتا ہے؟ ان میں سے ایک حق یہ ہے کہ بیٹے کے لیے اچھا نام تجویز کرے، میرے باپ نے میرا نام برغوث (پسو) رکھا ہے۔

[1] شرح فشردہ، نہج البلاغہ (آیت اللہ مکارم، ج ۳، ص ۵۷۷

اسلام کیے مقدس مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان ایک مناسب و صحیح طریقے کا انتخاب کرے، کیونکہ کسی بھی کام میں مطلوب نتیجہ کو حاصل کرنے کے لیے ایک مناسب اور درست طریقے کاانتخاب ضروری ہے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام اپنے مبارک کلام میں اولاد کی تربیت کے سلسلے میں امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اب میں تمہاری تربیت کا آغاز کتاب خدااور اس کی تاویل، قوانین اسلام اور اس کے حلال و حرام سے کررہاہوں اور ان کو چھوڑ کر میں کسی اور چیز کی طرف نہیں جاؤں گا''۔

آپ کے ان قیمتی جملوں سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کو تربیت کا آغاز کس چیز سے اور کہاں سے کرنا چاہیے؟ سب سے پہلے کتاب خدا کی تعلیم دی جائے اوراس کے نورانی کلام سے بچوں کے دلوں کو منور کیا جائے۔ اس کے بعد شریعت کے احکام، حلال و حرام کی تعلیم کی باری آتی ہے۔ پس انسان کے لیے ضروری ہے کہ اس سے پہلے کہ بچوں کا ذہن دنیاوی امور میں مشغول ہو جائے اور بچے گمراہی کے راستے پر چلتے ہوئے قساوت قلبی میں مبتلا ہو جائیں ان کی صحیح تربیت کرے۔[1]

۲۔آداب زندگی

تعلیم کے ساتھ جو چیز بے حد ضروری ہے وہ اسلامی آداب کی آبیاری ہے۔ بچے میں اچھی عادتیں اور اعلیٰ اخلاق پیدا کرنا والدین کے فرائض میں سے ہے۔ اسلام نے اچھی تربیت کو ثواب کے ساتھ منسلک کیا ہے۔ اور والدین کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت کا انتظام کریں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

اپنے بچوں کی تکریم کرواور انہیں آداب و تمیز سکھاو۔[2]

علامہ شیخ صدوق الرحمہ فرماتے ہیں؛ اور بیٹے کا حق تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ اس دنیا فانی میں اپنی ہر نیکی اور بدی کے ساتھ تمہاری طرف منسوب ہو گا اور جو کچھ بھی تم نے اس کو ادب سکھایا ہے

---

[1] نہج البلاغہ، خط ۳۱

[2] ابی عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینی، سنن ابن ماجہ (مترجم: مولانا محمد قاسم امین)، حدیث: ۳۸۷۱، مکتبہ العلم، لاہور

اور اس کے رب کی طرف اس کی رہنمائی کی ہے یا اللہ کی اطاعت پر اس کی معاونت کی ہے ان کے تم ذمہ دار ہو، لہٰذا اس کے معاملے میں اس شخص کی طرح کام کرو جو جانتا ہو کہ اگر ہم اس کے ساتھ نیکی کریں گے تو ثواب ملے گا اور بدی کریں گے تو سزا ملے گی"[1]

اسلام نے آداب زندگی کے بارے میں مفصل ہدایت دی ہے کہ والدین بچوں کی عمر اور ان کے مزاج کے مطابق آہستہ آہستہ آداب سکھاتے رہیں۔

د) حق میراث

اولاد کے بنیادی حقوق میں سے ایک اہم حق میراث کا ہے۔ اسلام نے اولاد کو باپ کی جائیداد میں نہ صرف شریک کیا ہے، بلکہ اس کے حصے بھی متعین کر دیے ہیں تاکہ کوئی ظلم نہ ہو سکے۔ قدیم معاشروں میں بیٹیوں کو حصہ نہیں ملتا تھا۔ قرآن پاک ہماری عظیم کتاب نے ان کا حصہ بھی متعین کیا اور سنت نبوی ﷺ نے اس بات کی وضاحت کر دی کہ باپ کسی جائز وجہ کے بغیر قانونی طور پر اولاد کو جائیداد سے محروم کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ وہ کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے ان کی حق تلفی ہو۔ ارشاد خداوندی ہے:

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ[2]

اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں ہدایت فرماتا ہے، ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔

قرآن نے لڑکی کا حصہ متعین کیا ہے، جبکہ دوسرے معاشروں میں کچھ بھی نہیں تھا۔ چونکہ اولاد میں بیٹے بیٹیاں دونوں شامل ہیں، اس لیے ان کے حق وراثت کو قانونی حیثیت دی گئی ہے اور والدین کو حق نہیں کہ وہ ان کو محروم کر دیں۔

صرف یہ نہیں، بلکہ میراث میں اور بھی چیزیں شامل ہیں جیسے اچھا ادب وغیرہ۔

اس بارے میں حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا:

---

[1] الصدوق، ابی جعفر محمد بن علی ابن بابویہ، من لایحضرہ الفقیہ، ج ۲، باب الحقوق، موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۰۶ھ بمطابق ۱۹۸۶ء، ص: ۳۹۵

[2] سورہ نساء: اللہ تمہاری اولاد کے حق میں تمہیں حکم دیتا ہے، ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔

بہترین میراث جو اولاد کو دی جاتی ہے وہ اچھا ادب ہے۔[1]

بس والدین کو چاہیے کہ وہ اولاد کو اچھا ادب و اخلاق سکھائیں، تاکہ وہ دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کریں۔

نتیجہ

اس موضوع کے مطالعہ سے میں اس نتیجے پر پہنچی کہ انسان کو تربیت کا آغاز کس چیز سے اور کہاں سے کرنا چاہیے؟ سب سے پہلے کتاب خدا کی تعلیم دی جائے اور اس کے نورانی کلام سے بچوں کے دلوں کو منور کیا جائے۔ اس کے بعد شریعت کے احکام، حلال و حرام کی تعلیم کی باری آتی ہے۔ پس انسان کے لیے ضروری ہے کہ اس سے پہلے کہ بچوں کا ذہن دنیاوی امور میں مشغول ہو جائے اور بچے گمراہی کے راستے پر چلتے ہوئے قساوت قلبی میں مبتلا ہو جائیں ان کی صحیح تربیت کرے۔ والدین کے ساتھ اچھا رویہ رکھے اور ان کے حقوق کی رعایت کرے۔ اولاد اگر اپنی پوری زندگی بھی ان کے حقوق کی ادائیگی میں صرف کر دے تب بھی وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی، تاہم شریعت نے کچھ چیزیں ایسی بیان کر دی ہیں۔ جو زیادہ اہمیت کی حامل ہیں اور جن کا لحاظ بہر صورت ہونا چاہیے۔ سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ ان کی جائز خواہشات کی تکمیل اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کو لازم جانے اور ان کی رضا و خوشنودی کو اپنے حق میں ایک بڑی سعادت سمجھے، اپنی حیثیت و استطاعت کے مطابق ان کی ضروریات اور ان کے آرام و راحت میں اپنا مال و اسباب خرچ کرے اور ان کے ساتھ ایسا سلوک کرے جو ان کی شان کے مطابق ہو۔ ان کے سامنے تواضع و انکساری اختیار کرے، ان کے سامنے نرمی اور عاجزی کا رویہ اپنائے اور جہاں تک ہو سکے ان کی خدمت کرے؛ تاآنکہ وہ راضی اور خوش ہوں، ان کی اطاعت و فرمانبرداری میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن اطاعت و فرمانبرداری ان امور میں کی جانی چاہیے جو مباح ہوں۔ ان کے ساتھ کوئی ایسا رویہ نہیں اپنانا چاہیے، جس سے ان کی شان میں بے ادبی و گستاخی ظاہر ہوتی ہو اور ان کے ساتھ تکبر و انانیت کے ساتھ پیش نہیں آنا چاہیے خواہ وہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں۔ بات چیت کے وقت اپنی آواز کو ان کی آواز سے اونچا

[1] درس زندگی، تالیف آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی (مترجم: حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا غلام حسین اسدی) ص ۱۲۴

نہیں کرنا چاہیے اور نہ ان کا نام لے کر مخاطب کرنا چاہیے۔ کسی کام میں ان سے پہل نہیں کرنا چاہیے اور نہ ان کے مقابلے میں خود کو نمایاں کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔اسی طرح اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اگر والدین غیر شرعی امور کے مرتکب ہوں تو ان کے سامنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کے وقت بھی ادب واحترام اور نرمی وملائمت کی راہ اختیار کی جائے۔ ایک دفعہ کہنے پر وہ باز نہ آئیں تو پھر سکوت اختیار کرلیا جائے اور ان کے حق میں دعاواستغفار کرتے رہنا چاہیے۔آخر میں خداوند عالم سے دعا ہے کہ ہمیں قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمایے اور والدین کی اطاعت کرنے کی توفیق عطا کرے۔